

ہم نے ہر قوم میں ایک پیغام بر بھیجا (یہ پیغام دے کر) کہ لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو۔

مے نبی: تم سے پہلے ہم نے جن پیغمبر کو بھی بھیجا اس کو ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی عبادت کرو۔

حاصل تم لوگوں کی ہر امت ساری کی ساری ایک ہی امت ہے سے اور میں تم سب کا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔

یہ حقیقت پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ ان آیات میں "فاعبدون" کا خطاب صرف عوام ہی یعنی امتیوں ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ خود اس دعوت کے داعی اور اس پیغام کے مبلغ انبیاء کرام بھی اس کے مخاطب اور مکلف ہیں جس کی تصریح ایک دوسرے مقام پر اس طرح کی گئی ہے:

لے رسولوا پاکیزوں میں سے کھاؤ اور نیک کام کرو۔ بلاشبہ میں تمہارے اعمال سے واقف ہوں۔

ایک دوسری آیت میں اسی چیز کو مزید وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی زندگی کے آخری لمحوں تک کے لیے واجب ہے:

لے تمہارا اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں (موت) کا وقت آجائے

آسمان اور زمین میں جو لوگ ہیں وہ سب سچے ہیں جو عالم اس کے حضور میں ہیں وہ نہ کبھی اس کی عبادت سے سرتابی کرتے ہیں نہ کالی کرتے ہیں، رات دن اس کی یا کی بیان کرتے ہیں اور اس میں ذرا بھی نہیں تھکتے۔

جو ملا کر تیرے رب کے پاس ہیں وہ کبھی اس کی عبادت سے کبر و ادا نہیں کرتے، ہر دم اس کی تسبیح کرتے رہتے اور اس کی جناب میں کبر و ادا نہیں کرتے۔

اس کے بالمقابل جو لوگ کائنات عالم کی اس غایت آفرینش کو پورا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بندگی اور سرکندگی کا اظہار کرنے کے بجائے انکسار سے کام لیتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ یوں مذمت کرتا ہے:

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھے بجاؤ، میں تمہاری سنوں گے بے شک جو لوگ عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ دوزخ میں ذلیل و خوار داخل ہوں گے۔

عبدیت۔ بندے کے لیے بند ترین مقام | عبادت ہی جب تکوین عالم کی غرض و غایت ٹھہری تو اس غرض کا پورا کرنا ہی خالق ارض و سما

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ۔ (مؤمن - ۳۱)

وَاعْبُدُوا اللَّهَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكُمُ الْيَقِينُ (حج - ۶)

وَلَا تَمَنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَنْ جُنْدٌ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَٱلَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ لَيَسْخَرْنَ مِنْهُمْ لَيْلَآءٍ وَٱلنَّهَارِ لَا يَفْتُرُونَ ۝

قَالَ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِمْ وَيَسْتَكْبِرُونَ وَكَانَ يُسْخَرُ مِنْهُمْ ۝

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ۔

کی خوشنودی کا باعث ہوا، اور کسی مخلوق کی انتہائی برتری اور برگزیدگی کے معنی یہ ہوسے کہ وہ عبدیت کے انتہائی مقام پر پہنچا ہوا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جب اپنے خاص اور مقرب بندوں کا شفقت و محبت اور اعزاز و تکریم کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہے تو انہیں اسی صفت عبدیت سے منصف کرتا ہے اور ان کا تذکرہ "عبد" کے لفظ سے کرتا ہے۔

ایک چتر جس سے عباد اللہ (اللہ کے بندے) برابر ہوں گے۔

عَيْنًا تَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ (۱-۲)

جن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خودی کے ساتھ چلتے ہیں۔

عِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَلَى الْآسْرِضِ هَوًّا

جب شیطان نے اپنی ملعونیت کی سزا سن کر اللہ کے حضور کہا کہ میں اس کے بدلے میں تیرے بندوں کو سبز باغ دکھا دکھا کر گمراہ کروں گا تو بارگاہ رب لغزت سے ارشاد ہوا:-

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی بس نہ چے گا بجز ان گمراہوں کے

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا

جو تیرا اتباع کریں۔

مِنَ اتَّبَعْتَ مِنَ الْعَادِيَةِ (حج-۳)

ملا کہ کے متعلق فرمایا:

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا مَبْغُضًا بَلْ عِبَادٌ

اور یہ کا دیکھتے ہیں کہ جن نے اپنی اللہ دہائی ہے۔ پاکہ اور منزه ہے اللہ تعالیٰ

ایسی باتوں بلکہ وہ توالہ کے کرم بندے ہیں اور وہ خوف سے ہمیشہ لرزاں و ترسان رہتے

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے حضور عبد اور بندہ

ہو کر حاضر ہو گا۔

مُكْسَرُونَ زَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (نبیاء)

إِنَّ كُلَّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا

ارنی التَّحْمِينَ عَبْدًا

حضرت مسیح کے بارے میں جن کے متعلق نبوت کے ساتھ ساتھ الہیت کا بھی دعویٰ کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

وہ تو محض ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (زخرف-۶)

چنانچہ اسی لیے کہ کہیں مسلمان بھی پیغمبر آخر الزمان کے معاملہ میں یہی غلطی نہ کریں کہ انہیں ان کے اصلی مقام — مقام عبدیت سے ہٹادیں۔ آنحضرت نے اپنی امت کو کھلے لفظوں میں وصیت فرمادی کہ:

میری طرح دستائش میں غلو نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن

لا نظر دینی کہا اطرت النصاری عیسیٰ بن

مریم کو مراد کر کے بڑھا دیا۔ میں تو محض ایک بندہ ہوں سو مجھے اللہ کا

مرید۔ انما انا عبد فقولوا عبد اللہ ورسوله

بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔

(الحديث)

عام بندگان خاص اور ملاکہ اور دیگر انبیاء کے کرام کی طرح خیر خلق اور سرور عالم کا ذکر بھی اسی لفظ "عبد" سے ہوتا ہے۔ معراج جیسے مائے صدرا ز اور عظمت تابعد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے:

پاک دہر ترے وہ خدا جو راتوں رات اپنے بندے کو سے گیا.....

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ كَيْلًا.....

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف سے کچھ دجی کی اکی۔

قَادِحِي إِلَى عَبِيدِهِ مَا أَوْحَى -

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، مبلغ رسالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

اور جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے (قرآن پڑھنے) کے لیے کھڑا ہوا

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ

عَلَيْهِمْ لَيْسَ ۱- (جن - ۱)

تو وہ اس پر عمل پڑے۔

مکہ میں قرآن کو چیلنج دیتے اور رسول کریم کی طرف سے تحدی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے،

قُرْآنَ كُنْتُمْ فِي سَرَائِبٍ فَمَا تُتَزَلَّمُنَا عَلٰى عَبَدِنَا فَاخَانُوا

اور اگر تم اس چیز (قرآن) کے (سمجھنا) نہ ہونے کے بارے میں شک کرتے

ہو جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو پھر اس میں سے ایک ہی سورت بنا کر عقاب میں لادو

دیں اور عبادت کا ترادف۔

ان آیات و نصوص سے جہاں ایک طرف حقیقت روشن ہوتی ہے کہ عبادت مخلوق کے شرف و مجد اور

عظمت سے سعادت کی معراج کمال ہے اور اس کے آگے بندی کا کوئی مقام باقی نہیں رہ جاتا، وہاں دوسری طرف یہ امر بھی بے نقاب

ہو جاتا ہے کہ دین اپنے تمام اجزاء کے ساتھ "عبادت" میں مٹا ہوا ہے۔ سارے انبیاء و ائمہ کا دین سکھانے آئے جیسا کہ قرآن میں متعدد

مقامات پر تصریح موجود ہے۔ اور پھر برہنہ ہے کہ "فاجدوہ" کا درس دیا، معلوم ہوا کہ "دین" اور "عبادت" ایک ہی حقیقت کی دو مختلف تعبیریں

ہیں۔ بخاری کی مشہور حدیث جبریل اس امر کی پوری دھماکت کر دیتی ہے۔ جبریل علیہ السلام ایک عربی کی شکل میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے

اور آئے ہی صحابہ کرام کے سامنے رسول اکرم صلعم سے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالات کیے کہ "اسلام کیا ہے؟" تو رسول اللہ نے جواب

دیا "اسلام یہ ہے کہ تم شہادت دو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے

رکھو اور بشرط استطاعت حج کرو۔" پھر پوچھا کہ "ایمان کی کیا تعریف ہے؟" ارشاد ہوا "ایمان نام ہے خدا کی وحدانیت، پھر اس کے فرشتوں

پر اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر، اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر مرنے کے بعد دوبارہ حیاتی اٹھنے پر اور احوال و واقعات عالم کو، خواہ وہ خیر ہوں

یا شر، خوشہ تشکر کا پابند ہونے پر دل سے یقین لانے اور کہنے کا۔" پھر سوال کیا کہ "احسان کسے کہتے ہیں؟" فرمایا "احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت

کو اس طرح کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔" جب جبریل علیہ السلام یہ سوال و جواب کے

پہلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"

دیکھو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو "دین" فرمایا اور ان حوالے کے انہی تمام چیزوں کے مجموعہ کا نام "عبادت" بھی ہو

"دین" اور "عبادت" کی نئی تحقیق | آؤ، "دین" اور "عبادت" کے الفاظ پر غور کر کے دیکھیں کہ لغت میں ان کا مفہوم اور مدلول کیا ہے؟

دین کے لغوی معنی ہیں عاجزانہ سرنگندگی، خضوع اور تذلل۔ اہل عرب کہتے ہیں "دنتہ قدان" یعنی میں نے اس کو ذلیل و ناچار

اور اپنا مطیع و منقاد بنایا اور وہ ایسا بن گیا۔ "ندین اللہ و ندین بلہ" یعنی ہم خدا کی بندگی و اطاعت کرتے ہیں اور اپنے کو اس کے سامنے ذلیل

دیتے ہیں۔ پس اللہ کے دین کا مطلب ہوا اس کی اطاعت، بندگی اور اس کے سامنے اظہار تذلل و سرنگندگی۔

عبادت کا لغوی مفہوم بھی اسی کے قریب قریب ہے اور اس لفظ کے معنی بھی تذلل اور انقیاد نام کے ہیں، چنانچہ اہل عرب اس رات کو

جو کثرت آمد و رفت کی وجہ سے راہ گیروں کے قدموں سے خوب روند گیا ہوا اور بالکل صاف اور ہموار ہو گیا ہو، "طریق منجشد" کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح

شرعیہ میں عبادت کا مفہوم اسی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ خضوع اور تذلل کے ساتھ اس میں محبت کا عنصر بھی شامل ہے، اور عبادت کے لغوی

کی زبان میں اللہ تعالیٰ کے روبرو انتہائی تذلل اور کامل محبت دونوں کے مجموعے کا نام ہے چنانچہ اسی بنا پر نسبت عرب میں "تیم" کا لفظ عبادت کے

معنی میں آتا ہے اور "تیم" محبت کے آخری درجہ کا نام ہے جس طرح کہ اس کے پہلے درجہ کو "علاقہ"، دوسرے کو "صباۃ"، تیسرے کو "خادم" چوتھے کو

"عش" کہتے ہیں۔ پس متیم وہ شخص ہوا جو اپنے محبوب میں بالکل کھو گیا اور اس کے سامنے بالکل بچھ گیا ہو یعنی اس کا کابل غلام اور منجشد ہو۔ تیم اور تیم

کے الفاظ کا عہد کے معنی میں آنا خود گواہی دیتا ہے کہ عبادت کے اندر محبت کا بکھ عشق کا مل کا بھی مفہوم موجود ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے جھکتا تو ہے مگر ارادت اور محبت کے بجائے نبض اور کراہت تلبی کے ساتھ جھکتا ہے، یا وہ ایک شخص سے محبت تو کرتا ہے مگر اس کے سامنے فروتنی اور سرگندگی کا اظہار نہیں کرتا، جیسا کہ ایک باپ اپنے بیٹے یا ایک دوست اپنے دوست سے محبت رکھتا ہے تو ایسی حالت میں اس کو عہد یا عابد نہ کہا جائے گا۔

لفظ عبادت کی اس تشریح کو سامنے رکھیے تو یہ حقیقت خود بخود بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شریعت نے جس عبادت الہی کا ہمیں حکم دیا اور ہمارا مقصد زندگی قرار دیا ہے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا اگر اس کے اندر ان دونوں چیزوں میں سے صرف ایک ہی چیز ہو، اور اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بندہ کے نزدیک کائنات کی ہر شے سے زیادہ محبوب اور ہر چیز سے زیادہ مکرم و محترم ہو، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کامل محبت اور کامل تعظیم و تکریم کا مستحق صرف اللہ ہی ہے اور ہر وہ محبت غلط اور فاسد ہے جو غیر اللہ سے کی جائے اگر اللہ کے لیے نہ ہو۔ نیز ہر وہ تعظیم صلباً باطل اور ناروا ہے جو کسی ماسوا کی کی جائے اور زبان الہی کے ماتحت نہ ہو حتیٰ تعالیٰ کا کہنا ہے:

اے نبی مسلمانوں سے کہد کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے اور بھائی،

تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان، تمہارے وہ مال جن کو تم نے کما رکھا

ہے تمہاری وہ عزیز تجاوتیں جن کے مرد پر جانے لائیں انڈیشہ لگا رہتا

ہے اور تمہارے وہ مکانات جن کو تم بہت پسند کرتے ہو۔ اگر وہ تمام

چیزیں تمہارے نزدیک اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ
أَسْرًا وَاجْتَمَعَتْ عَيْنُكُمْ وَإِقْرَافُكُمْ وَأُوِيْتُمْ
تَحْتُ شُجُونٍ فَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ
مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَصِمُوا
حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ (توبہ - ۳)

سے زیادہ محبوب ہیں تو ظہور وہاں تک کہ اللہ اپنا حکم سامنے لے آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ محبت اصلاً خدا ہی کا حق ہے اور نبی کی محبت بھی اس کی تعینت میں ہے، لیکن بہر حال شرعی طور پر اصل محبت خدا اور رسول دونوں سے ہونی چاہیے جس طرح اطاعت مطلق اور طلب ضا دونوں کی ہونی چاہیے۔ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ
أَنْ يُرْضَوْا (السرور) اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ لوگ انھیں خوش رکھیں۔ نیز صاحب حکم و امر دونوں ہی ہیں، اذ لو
أنتهم سرضوا ما اتشہوا اللہ ورسولہ (اور کاش یہ لوگ راضی ہوتے اس چیز پر جس کو اللہ اور رسول نے انھیں یا
تھا)۔ لیکن یاد رہے کہ عبادت اور اس کے لوازم مثلاً توکل، اور خوف ورجا وغیرہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ان امور میں اس کا
رسول کسی حیثیت بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ:

اے نبی کہد کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف

جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے یعنی یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کیا

تو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھو کر کسی کو

اپنا رب نہ بنائے۔ پھر اگر یہ لوگ تمہاری بات نہ مانیں تو ان سے کہد

کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (اس امر حق کے سامنے سیر تسلیم خم کرنے والے ہیں)

اور کیا خوب ہنزا اگر وہ لوگ راضی ہو جائے اس چیز پر جس کو اللہ اور

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
شَيْئًا وَلَا يَخِضَنَا بَعْضًا أَسْرًا بآئِينَ دُونِ
اللَّهِ. فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ
(آل عمران - ۷)
وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا اتشہوا اللہ ورسولہ و

قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرُسُلُهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ سَارِعُونَ (توبہ - ۷)

اس کے رسول نے انہیں دیا تھا اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے وہ اپنے فضل سے ہم کو آئندہ بھی دے گا اور اس کا رسول ہم تو خدا ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔

دیکھو اس آیت دونوں باتیں ثابت ہو گئیں یہ بھی کہ صاحب امر وہی اللہ بھی ہے اور اس کا رسول بھی، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کی تصریح موجود ہے:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ الشَّرْءَ سَوْلاً خَنْدُوكَ وَمَا هَذَا كُودُ
عَنْهُ فَانقُوهَا (شعر - ۱)

جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے روکیں اس کو چھوڑ دو۔
اور یہ بھی کہ حسب یعنی کفایت کنندہ اور کار ساز کل اور مستمد علیہ صرف اللہ جل شانہ ہے، اور اس حقیقت کو ایک زائد آیتوں میں بوضاحت بیان کر دیا گیا ہے:

الَّذِينَ قَالُوا كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ عَمَلِكُمْ
الَّذِينَ قَالُوا كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ عَمَلِكُمْ
اللَّهُ دَنِيْعَمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران - ۷۸)

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ ہاتھوں سے اللہ سے مقابلہ کے لیے (بڑی جمعیت اور سامان) فراہم کیا ہے، سوان سے ڈرو، تو رہیں کہی ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کار ساز ہے۔
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَسْبِكَ اللَّهُ وَهَمِنْ أَسْبَعَتْ مِنْ
الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال - ۸)

اے نبی! تمہارے بے اور تمہارے پیروکار مسلمانوں کے لیے اللہ کافی ہے۔
الَّذِينَ قَالُوا كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنْ عَمَلِكُمْ
اللَّهُ دَنِيْعَمَ الْوَكِيْلُ (انفال - ۸)

یہاں اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں۔
عبدیت کا معنی | اب ہم لفظ عباد اور عبادت پر تحقیق تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں: عباد کے دو معنی ہیں، عباد اور عابد۔ عباد یعنی شہیت الہی کے فیصلوں کا زیر فرمان، تابع اور مجبور محض غلام، جو خدا کے احکام و قضا کے سامنے طبعی اور فطری طور پر بالکل جھکا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے احوال و معاملات کو جس طرح چاہتا ہو، بناتا، بگاڑتا اور اٹھاتا رہتا ہو۔

عبدیت کا دوسرا معنی | اس معنی کے اعتبار سے کائنات عالم کا ایک ایک ذرہ، بغیر استثناء کے خدا کا عابد ہے۔ نیکو کار ہوں یا بدکار، مومن ہوں یا کافر، متقی ہوں یا فاجر، اہل جنت ہوں یا اہل نار، سب کے سب کیساں طور پر عباد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سب کا رب ہے، سب کا مالک اور خالق ہے اور ان میں سے کوئی بھی اس کی مشیت اور قضا و قدر سے یک بر مو باہر قدم نہیں رکھ سکتا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی طور میں آتا ہے، خواہ اس کے ظہور میں آنے کی کتنی ہی خواہش کیوں نہ کی جائے۔ اسی طرح جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ بھی صورت و جو اختیار نہیں کر سکتا، خواہ اس کی کتنی ہی شدید تمنا کیوں نہ کی جائے۔ یہی قانونِ قدرت ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے:

أَفَعْبُدُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَعْلَمُونَ
اللَّهُ يَخْتَارُ مَا يَسِّرُ يَسِّرُ وَيَصْعَقُ يَصْعَقُ

کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین ڈھونڈتے ہیں حالانکہ جو کچھ
یہاں بعض لوگوں نے من "کو اللہ کے نظائر عطف مانا ہے اعلان کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ ہی تمہارے لیے اللہ اور تمہارے دوسرے بتوں کا تعلق ہے۔ لیکن
آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں نے بڑی فحش غلطی کی ہے، ایسی فحش غلطی کہ جس کی تردید کی بھی ضرورت نہیں۔ قرآن کے مسلک کلمات کے یہاں ہر اسرطان ہے۔

الْمَشْرُوقِ وَالْمَغْرِبِ كُلِّ مَكَانٍ يُرْجَعُونَ - اور جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہے، چاروں اطراف اس کے سامنے سرنگون ہے۔
(آل عمران - ۹) ادا کی کے صفویہ سب ڈھانے جائیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین ہے، وہی سب کا پروردگار ہے، سب کا خالق ہے، سب کا رازق ہے، سب کا زندگی بخشنے والا ہے۔
کام کرنے والا، سب کے دلوں کو پھیرنے والا اور سب کے عقوبت و احوال کے اندر حسب منشا تصرف کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی اس کا رب
کا رب، خالق اور مالک نہیں، خواہ کوئی اس امر پر یہی کا اعتراف کرے یا نہ کرے اور اس حقیقت تاباں سے واقف ہو یا نہ ہو۔

عبودیت کی اس منزل میں تو اہل ایمان اور اہل کفر، دونوں ہی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، لیکن اہل کفر سے آگے چل کر دونوں کی
راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں اور دونوں کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچ جاتا ہے۔ اہل ایمان تو ان حقائق کا علم بھی رکھتے ہیں اور
کی گہرائیوں میں ان پر ایمان اور یقین بھی رکھتے ہیں۔ لیکن جو ایمان کی روشنی سے محروم ہیں، وہ یا تو ان حقائق کا جیسا کہ چاہیے، علم نہیں رکھتے،
یا پھر علم تو رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود انکار کرتے ہیں، پروردگار حقیقی کے خلاف اپنی کبریائی کا علم بلند کرتے ہیں اور اس کے سامنے ٹھکنے
اور سرعجز و نیاز خم کرنے کے بجائے اشکبار کی روش پر جم جاتے ہیں۔ گو اندر سے ان کا دل گواہی دیتا ہے کہ اللہ نے ہی انہیں پیدا کیا ہے اور
وہی انہیں رزق بھی دیتا ہے۔ یہ دونوں ہی قسم کے منکرین حق، ایمان و کفر کے لحاظ سے ایک ہی پوزیشن رکھتے ہیں اور دوسری قسم کے
با ایمان حق کا علم و اعتراف ان کی حیثیت ایمانی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا کیونکہ انکار اور سرکشی کے ساتھ معرفت حق، علامت ایمان اور موجب نجات
نہیں بلکہ اور زیادہ باعث عذاب ہے۔ فرعون اور فرعونوں کے حق میں قرآن فرماتا ہے:

وَجَدُوا إِلَٰهًا وَسَيِّئَةً فَلَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ فَأَنَّى يُكَفِّرُ
عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱) - اور جو وہ اس کے کہ ان کے قلوب خدا کی نشانیوں کی صداقت کا یقین
رکھتے تھے لیکن انہوں نے علم اور کبریٰ بنا پر انکار کر دیا، سو دیکھو کہ ان نفسوں
کا کیسا انجام ہوا؟ (نمل - ۱)

اہل کتاب کے متعلق فرمایا:-
الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ يَعْرِفُونَ مَا نُنزِّلُ الْكِتَابَ فِيهِ
فَرِحُوا بِهِ فَرَحًا غَيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُونَ (۱) - جو لوگوں کو (پہلے) ہم نے کتاب کی بھی وہ اس (قرآن یا صحیفہ قرآن) کو
اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو اور غنیمت سے کہ ان میں سے ایک گروہ
جانتے رہتے اور حق کو چھپاتا ہے۔
وَمَا يَذَّكَّرُونَ (۱) - وہ اس سے فرح و شہادت نہیں جھٹلاتے، بلکہ دل میں ہمیں پہچانتے ہیں،
لیکن یہ ظالم خدا کی آیتوں کو انکار کرتے ہیں۔

بہر حال بندہ کا اللہ تعالیٰ کے متعلق صرف اس قدر علم و اعتراف کہ وہی اس کا پروردگار اور خالق ہے اور وہ بہر حال میں اس
کا محتاج اور نیاز مند ہے، اپنی صرف اس عبودیت کا اقرار ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہے۔ ایسا بندہ اپنے رب
حقیقی کے سامنے بوقت ضرورت سب سے وال بھی پھیلا کر کرتا ہے، اس کے سامنے گروہ گزرتا بھی ہے اور اس پر توکل بھی رکھتا ہے، لیکن اس
کے باوجود اس کے احکام کی اطاعت میں ثابت قدم نہیں نکلتا۔ وہ کبھی ان کو مانتا ہے کبھی نہیں مانتا، کبھی خدا کے روبرو جھکتا ہے
تو کبھی شیاطین و اصنام کے سامنے سجدہ ریز نظر آتا ہے۔ سو اس قسم کی عبودیت۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی محض صفیہ ربوبیت کے ہم و یقین۔

سے کسی شخص کے با ایمان ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اور نہ اس یقین سے اہل جنت اور اہل نار کے درمیان کوئی تفریق ہو سکتی ہے۔ اس قسم کا ایمان اپنے وجود عدم کے لحاظ سے کیا ہے۔ قرآن میں ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ
اور ان میں سے بیشتر تو اس طرح خدا پر ایمان رکھتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

مشکین کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ اللہ ہی سب کا خالق اور رازق ہے اور نہ قرآن حکیم نے کبھی ان پر یہ الزام رکھا کہ وہ خدا کی خالقیت اور رازقیت کو کیوں نہیں تسلیم کرتے۔ اس کا ان پر الزام! صرف یہ تھا کہ اس علم اور آواز کے باوجود کہ ضلای بسو وجود بخشا اور سامان ازیت ایم پہنچاتا ہے، اور دوسروں کو کیوں اس کی عبودیت میں حصہ دار بناتے ہیں:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللهُ (غیبت)
اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے اور سورج چاند کس نے سز کیے تو جواب میں گئے اللہ نے۔
ان سے کہو، (ذرا بتاؤ تو یہی) یہ زمین اور اس کے بسنے والے کس کے ہیں؟ اگر تم جانتے ہو۔ جواب دیں گے اللہ کے۔ کہو، تو کیا پھر بھی تم کو ہوش نہیں آتا؟۔ پوچھو کہ ساتوں آسمان اور بزرگی والے تخت کا رب کون ہے؟ کہیں گے یہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں۔ کہو، تو کیا پھر بھی تم نہیں ڈرتے۔ پھر دریافت کرو کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی بادشاہت اور حکمرانی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی۔ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو! جواب دیں گے اللہ ہی کی (ساری کائنات کی حکومت ہے)۔ کہو، تو پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑے کہ تمہاری عقل یوں مادی گئی)۔

اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکا شکل ہی کوئی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان کر سکتا ہے۔ ہر شخص کو ایک دنیوی سوال اور تھکاس حقیقت کی کوئی کامشاہدہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ خدا کے مسلم اور فرماں بردار بندوں ہی کی یہ کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس کے باغی اور نافرمان ہنسے بھی اس حقیقت کو اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ اہل ایمان جتنی کہ بلیں یقین بھی اپنی تمام ڈھٹائیوں کے باوجود اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکا اور اپنی سرانے ملعونیت سننے کے بعد بھی اس کے منہ سے سب سے پہلے یہی نکلا کہ:-

سَرَّيْطَانًا غَوِيًّا نِّبِيًّا لَا سَرِّيٰتِيْنَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَلَا غَوِيًّا يُّهْمُوْنَ اَجْمَعِيْنَ (جر-۲)
سَرَّيْطَانًا غَوِيًّا نِّبِيًّا لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَلَا غَوِيًّا يُّهْمُوْنَ اَجْمَعِيْنَ (جر-۳)
سَرَّيْطَانًا غَوِيًّا نِّبِيًّا لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَلَا غَوِيًّا يُّهْمُوْنَ اَجْمَعِيْنَ (جر-۳)
سَرَّيْطَانًا غَوِيًّا نِّبِيًّا لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَلَا غَوِيًّا يُّهْمُوْنَ اَجْمَعِيْنَ (جر-۳)

یہ اور اس طرح کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں وہ اس بات کا علانیہ قرار کرتے ہیں کہ اللہ ہی اس کا اور سب کا پروردگار اور خالق ہے نہ کہ کوئی اور۔ اسی طرح اہل جنیم بھی اس اعتراف میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں گے کہ:

سَرَبْنَا عَلَيْكَ عَلَيْنَا شِفْوَتَنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ
وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُقُّوا عَلَىٰ سُرْحِمِهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هَذَا
بِأَحْسَنَ قَالُوا بَلَىٰ دَرَسْنَا (انعام - ۳)

اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بچی سوار ہو گئی تھی اور ہم کم کر دوڑاؤں کو گھمے
لاش کہ تم ان لوگوں کو اس وقت دیکھے جب کہ اپنے رب کے حضور کھڑے
کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو جواب دیں

کیوں نہیں، تم ہے ہمارے رب کی (یہ حق ہے)

پس جو شخص اسی حقیقت تکوینی کی حد تک پہنچ کر رک جائے اور اس عبادت سے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہے، آگے
قدم بڑھا کر حقیقت تشریحی کی حدود میں داخل نہیں ہوتا اور اس عبادت کا قابل اور حامل نہیں بنتا جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی الہیت، عبودیت
اور اس کی اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت سے ہے، وہ کسی طرح بھی ابلیس اور ابلیہم کے مقابلہ میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا، دراصل وہ
انہی کی جنس اور زمرہ میں شامل ہے۔ اور اگر اس کے باوجود وہ اپنے تئیں یہ زعم بھی رکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان بندگان خاص اور
اویہا، مقربین اور پیغمبروں کے مابین کا مین میں سے ہے جن سے تکلیف شرعی ساقط ہو گئی ہے تو وہ کاذبوں اور محدوں سے بھی بدتر
اور گمراہ تر انسان ہے۔ اسی طرح جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت خضر یا کوئی اور احکام شریعہ کا تکلیف نہیں اس لیے کہ اس کو ارادہ الہی اور
اسرار تکوینی کا مشاہدہ حاصل ہے، تو اس کا یہ گمان اور قول منکر بن خدا کے اقوال اور اوہام اور باطلیل سے بھی زیادہ بیہودہ ہے۔

عبودیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے جس کی اب تک اوپر کی سطروں میں توضیح ہوئی، اور جیسا کہ یہ بھی بیان ہو چکا کہ عبودیت کے اس مفہوم
کے لحاظ سے ہر شخص خدا کا عباد ہے، مومن بھی اور کافر بھی، حتیٰ کہ جس طرح ایک نبی اسی طرح ایک شیطان جیم بھی۔ اور یہ عبودیت، نجات و
کامرانی آخرت کے لیے ذرا بھی مفید نہیں جب تک کہ انسان اس سے آگے بڑھ کر عبودیت کے دوسرے مفہوم کے لحاظ سے عباد بن جائے۔
عبودیت کا دوسرا مفہوم "عہد" کا دوسرا مفہوم "عہد" ہے، یعنی بندہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرے، کسی دوسرے کے سامنے اپنی پیشانی نہ جھکائے،
اس کے اور اس کے رسولوں کے احکام کی اطاعت کرے، اس کے صالح اور متقی بندوں سے رابطہ و محبت رکھے اور اس کے نافرمان اور باغی
بندوں سے ترک تعلق کرے۔ اس دوسرے معنی کے لحاظ سے ایسا بندہ عبودیت سے خارج ہے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن
اس کی عبادت اور اطاعت نہیں کرتا، یا اس کے ساتھ کسی دوسرے "الہ" کی بھی عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ کسی ذات کو الٰہ تسلیم کرنے کے معنی
یہ ہیں کہ انسان کا دلہا نہتائی محبت اور رغبت اور پوری تنظیم و تکریم اور خوف و درجا، صبر و شکر اور انابت و توکل کے گہرے جذبات کے ساتھ اس کی طرف متوجہ
ہو پس جب یہ بندہ اللہ کے ماسوا بھی کسی کو مجبور و ادراک بنا تا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات عبودیت اور احساسات شوق
و محبت کو تقسیم کر دیتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا شخص عموماً اپنی ساری متاع نیاز غیر اللہ ہی کے حضور ڈال دیا کرتا ہے۔

عبودیت اور عبادت کا یہ پہلا اللہ تعالیٰ کی الہیت سے تعلق رکھتا ہے یعنی اس کی الہیت کا مقتضا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ
توحید کا عنوان ہے لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ اور مجبور نہیں، یہی وہ عبادت ہے جو خدا کی نگاہ میں محبوب و راجح ہے،
اسی عبودیت کا وہ اپنے بندوں سے مطالبہ کرتا ہے، اسی عبودیت کو وہ اپنے صالح اور برگزیدہ بندوں کی صفت امتیاز اور درجہ بزرگی
قرار دیتا ہے اور اسی کی تبلیغ و تذکیر کے لیے وہ اپنے پیغمبروں کو دنیا میں بھیجتا رہا ہے۔ اس کے بالکل برعکس اور بالمقابل عباد اور عبودیت
کا پہلا مفہوم ایک ایسی چیز ہے جس کا رضائے الہی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، اس میں کافر اور مومن برابر کے شریک
ہیں، ایک کا دوسری ان معنوں میں، ویسا ہی عباد ہے جیسا کہ ایک مومن۔

حقائق تشریحی و حقائق تکوینی میں فرق کرنے کے تاریخ "عبادت" کے ان دونوں مفہوموں میں جو فرقِ عظیم ہے اس کو ذہن نشین کر لینے کے بعد وہ فرق بے گمانی آسکتا ہے جو حقائق تشریحی اور حقائق تکوینی کے درمیان اداان کے علم و اعتراف کے درمیان ہے۔ حقائق تشریحی یا دینی تو وہ حقیقتیں ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت اور شریعت سے ہے، جو اس کی رضا کا ذریعہ ہیں اور جن کے ماننے والوں کو وہ اپنی دوستی اور ولایت کی سی دنیا و آخرت عطا کرنا ہے۔ اور حقائق تکوینی وہ حقیقتیں ہیں جن کا تعلق اویسا یا شیطان سے بھی اسی قدر ہے جس قدر اویسا۔ الرحمن سے ہے یعنی اگر ایک شخص محض اپنی حقائق کے تسلیم کر لینے پر اکتفا کرتا ہے اور ان سے آگے بڑھ کر حقائق تشریحی کا علم و اذعان بھی غلط اپنے اندر نہیں پیدا کر لیتا، تو وہ بیروانِ الہی کے زمرہ میں شامل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حقائق تکوینی ہی کے تسلیم کر لینے اور انہیں کے مطابق اپنی زندگی کا نظام بدلنے پر اکتفا تو نہیں کرتا بلکہ حقائق دینی کا بھی اس کے دل و دماغ میں دخل ہے مگر پوری طرح نہیں ہے بلکہ بعض امور میں تو وہ ان حقائق کی روشنی قبول کرتا ہے اور کچھ دوسرے امور میں ان کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتا ہے، تو ایسا شخص ایک نامکمل بندہ ہے اور خدا کا ناقص پرستار۔ اس کے ایمان میں اسی قدر کمی اور نقص ہے جس قدر کہ وہ حقائق دینیہ کے اتباع سے گریز کرتا اور علمی یا عملی طور پر ان کا انکار کرتا ہے۔

یہ ایک ہم تشریحی اور بڑا ہی نازک مقام ہے جہاں کتنوں ہی کے قدم راہِ راست سے مغرب ہو گئے اور حق کی شاہ راہ سے دور جا پڑے۔ خصوصاً اہلِ سلوک کو اکثر اس مقام پر نشتِ اشتباہ تک دوچار ہونا پڑا اور ایسے بے شمارا کا بشیوعِ طریقت یہاں ٹھوکریں کھاتی ہیں جن کو تحقیق حق اور توحید و معرفتِ الہی کا رازِ خفا کہا جاتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"بہت سے لوگ ہیں کہ جب وہ خدا و قدر کے پاس پہنچے (یعنی انہیں ارادۃ الہی کا ثابہ نصیب ہوا) تو وہیں ٹھہر گئے۔ لیکن میرا حال یہ نہیں ہے، بلکہ میں وہاں پہنچا تو میرے دہرے اس میں ایک کھلا کھلی اور میں نے قدم ارادۃ الہی سے۔ حق کے ساتھ اور حق کے لیے۔ جنگ کی۔ مردہ ہے جو قدر کا مقابلہ کرتا ہے، نہ کہ وہ جو اس کے سامنے ہیراں دیتا ہے۔"

شیخ مروج کا یہ زمانا عین مدعا سے شریعت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں امر فرمایا ہے اور جس کی اس کے رسول نے ہم کو تعلیم دی ہے۔ لیکن بہت سے یہاں پہنچ کر جنگ گئے اور سر رشتہ حق ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ اور یہ اس طرح پر کہ جب کبھی وہ سلوک کی منزل میں طے کرتے ہوئے تھکائے الہی کے قریب جا پہنچتے ہیں اور وہاں ان گناہوں اور مصیبتوں کا۔ حتیٰ کہ شرک اور کفر جیسی مصیبتوں کا۔ مشاہدہ کرتے ہیں جو ان پر یا دوسروں پر مقدمہ ہر جگی جوتی ہیں، اور انہیں نظر آتا ہے کہ ان مصیبتوں کا وقوع اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضاء کے مطابق ہونے والا ہے، یعنی وہ اس کے احکامِ ربوبیت اور مقتضائے مشیت کے تحت (نہ کہ اس کی رضا کے اندر) داخل ہیں تو ان کی عقل و فہم پر خیال غلبہ پالینا ہے کہ بس یہ جو کچھ تھکائے خداوندی میں طے ہو چکا ہے اس کے سامنے تسلیم و نیاز ختم کر دینا، بلکہ اس پر راضی ہو جانا ہی دین و شریعت اور عبادت و طریقت ہے۔ لیکن ذرا غور تو فرمائیے کتنا خطرناک خیال ہے جو ان مشرکین کے خیالات کے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہو سکتے تھے:

اگر اللہ چاہتا تو ہم انہی ہمارے باپ دادا، شرک کرتے اور نہ
 كَوْشَا۟اَ اللّٰهُ مَا۟ اَشْرِكْنَا وَاَلَا۟ اَبَا۟اُ وَاَلَا

حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ (انعام - ۱۸)

کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔

لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا هُمْ (ذخرف - ۲)

اگر چاہتا تو ہم ان بتوں کو نہ پوجتے۔

أَطْعِمُوا مَنْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ أَطْعَمَهُ (سین - ۳)

یہاں انہیں کھلائیں جن کا اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟

لیکن اگر ان لوگوں کو جہالت کی روشنی نصیب ہوتی تو انہیں معلوم ہوتا کہ ایمان بالقدر اور تسلیم و رضا کا وہ مقصد ہرگز نہیں ہے جو خیرہ نگاہی کے باعث انہوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم پر جو مصیبت بھی پڑے، ہم اس پر صبر کریں اور یہ یقین کر کے کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے جس کا ہم پر نازل ہونا ناگزیر تھا، اس کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لے جائیں جیسا کہ قرآن میں ہے :-

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

جو مصیبت بھی کسی کو پہنچی وہ اللہ ہی کے حکم سے پہنچی۔ اور جو شخص اللہ

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ

پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو راہ راست بھادیتا ہے۔

بعض علماء سلف کی تفسیر کے مطابق "مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ يَهْدِي قَلْبَهُ" سے مراد وہ شخص ہے جو مصائب دنیا میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے اندر یقین بیدار ہو جاتا ہے کہ یہ سارے آزار خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر ان پر خزع خزع کرنے کے بجائے اس کے قلب پر صبر و رضا کا سکون چھا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ :-

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا

زمین میں اور خود تمہارے اپنے اوپر جو مصیبت بھی نازل ہوتی ہے

فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِمَّا نَزَّلْنَا

وہ نازل اس سے کہ ہم اس کو عالم وجود میں لے آئیں ایک کتاب میں لکھی

بِذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَا

ہوتی ہوتی ہے۔ بے شک کہ یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے (اس

قَاتِلُكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (مید - ۳)

حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو) تاکہ کسی چیز کے آنے کا تمہیں اندیشہ

ہو اور نہ کسی چیز کے ہٹنے کی از حد خوشی۔

صحیح بخاری اور مسلم دونوں کی روایت ہے کہ حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام میں بحث ہوئی، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ آپ وہی آدم ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ کے پتلے میں اپنی روح پھونکی، رشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے "اسما" کا آپ کو علم بخشا، پھر آپ نے ہمیں اور خود اپنے کو جنت کی نعمتوں سے کیوں نکال باہر کیا؟ حضرت آدم نے جواب دیا "آپ ہی موسیٰ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے نوازا اور اپنے پیغام کا حامل اور مبلغ بنایا اور شرف نبوت عطا کیا تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ بات میرے حق میں، میری آفرینش سے پہلے ہی لکھی جا چکی تھی (یا نہیں)؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا (یہ تو صحیح ہے)۔"

مباحثہ کی یہ روداد بیان کر چکنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ "اس مباحثہ میں حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو قائل کر دیا۔"

دیکھو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اپنے کو بے قصور ٹھہرانے کے لیے قضا و قدر کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قضا و قدر سے استدلال کرنا جاہل اور مصیبت پرست کا کام ہے نہ کہ کسی مومن اور مسلم کا اس لیے کہ

اگر یہ چیز کسی کے گناہ کے لیے عذر ہو سکتی ہے تو ہر کا زور عا د و شو عیبی گمراہ اور مضروب قوم حتیٰ کہ ایمان تک کو اس بنا پر مضور سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے جو کچھ کیا، مثبت الہی کے مطابق کیا۔

پھر حضرت موسیٰ کے اسلوب اعتراض پر بھی غور کر دو کہ انہوں نے حضرت آدم کو ان کے ارتکاب گناہ پر کوئی ملامت نہیں کی کیونکہ ان کا یہ گناہ بارگاہ الہی سے بخشا جا چکا تھا اور حضرت آدم منقوت، ہدایت و نبوت کے سرگاہ انعامات سے سرفراز ہو چکے تھے بلکہ ان کو ملامت اس مصیبت کی بنا پر کی جو ان کی نوزش کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان پر نازل ہوئی اور انہوں نے حضرت آدم سے صرف یہ کہا کہ "آپ نے ہمیں جنت سے کیوں نکالا" جس کا جواب بھی حضرت آدم نے وہی دیا جو دینا چاہیے تھا کہ یہ بات تو میرے عالم آب و گل میں آنے سے پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔ یعنی یہ نوزش اور اس نوزش کی یہ سزا و نازل ہی نوشتہ انزل میں مقدر تھیں اور جو مصائب مقدر ہو چکے ہوں ان کے واقع ہو جانے پر، صبر و تسلیم کے جذبات کے ساتھ تھیل لے جانا ضروری ہے کہ الہ جل شانہ کو اپنا رب ماننے کا یہی معیار ہے، اسی کا نام تسلیم و رضا ہے اور یہی کہاں ایمان کا مقتضا ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اسی چیز کا مطالبہ کیا ہے:

فَاَصْبِرْ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ وَعَلَىٰ الْقَوْلِ الْقَائِلِينَ ﴿۶۶﴾
 (مومن - ۶۶)

پس (مصائب پر) صبر کرو (اور یقین رکھو کہ) خدا کا وعدہ سچا ہے۔ اور اپنے گناہ کی معافی مانگو۔

وَلَا تَصْغُرْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَتَّقُوا الْكَيْدَ كَيْدِ هُمْ سَيِّئًا (آل عمران - ۷۳)

اور اگر تم مہربان سے کام لو گے اور خدا سے ڈرنے رہو گے تو ان (انہار دین) کی چالیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔

وَأَنَّ تَصْغُرَ عَلَيْهِمْ وَلَا تَتَّقُوا الْكَيْدَ كَيْدِ هُمْ سَيِّئًا (آل عمران - ۷۳)

اور اگر تم مہربان تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ جنت کے کام ہیں۔

وَأَنَّ تَصْغُرَ عَلَيْهِمْ وَلَا تَتَّقُوا الْكَيْدَ كَيْدِ هُمْ سَيِّئًا (آل عمران - ۷۳)

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (صافات - ۱۰)

اس میں شک نہیں کہ جو خدا سے ڈرتا ہے اور صبر پر کار بند ہوتا ہے (اس کے لیے کامیابی ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قوم و وطن کے تمام رشتوں کو فراموش کر دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اسے ایمان لانے والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا کلمہ کھلا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے اور رسول کو، نیز تم سب کو، تمہارے اپنے گھربار سے نکال دیتے ہیں۔ تمہارے لیے ابراہیم اللہ ان کے رفیق اور کے سوا برحق جہاد میں ایک عمدہ نمونہ عمل موجود ہے۔ یاد کرو اس وقت کو جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم سے اور تمہارے وجود سے، جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، ہم بری اور بے تعلق ہیں، ہم تمہارا (یعنی تمہارے مسلک کا) انکار کرتے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض پیدا ہو چکا ہے یہاں تک کہ تم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّن تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ - (مومنہ - ۱)

تینا اللہ ہی پر ایمان لاؤ۔

تم کسی قوم کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ ان لوگوں سے رشتہ سمودت رکھتی ہو، جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں، خواہ وہ ان کے اپنے ہی باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان والے کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان پیوست کر دیا ہے اور اپنی رُوح سے ان کی تائید اور مدد کر رکھی ہے۔

لَا تَتَّخِذُوا قَوْمًا يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنَّا - (مجادلہ - ۳)

ظاہر ہے کہ اگر کفر و نفاق کی مصیبتوں میں گرفتار رہنے والوں کے لیے قضا و قدر کا عذر واقعی کوئی عذر ہوتا تو پھر ان سے اتنی شدید نفرت و رعدرات رکھنے کا حکم کیوں ہوتا۔ اور اگر ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہوتا کہ جو برائیاں بھی عالم ظہور میں آتی ہیں، وہ شہید الہی کے بموجب بہر حال ظہور پذیر ہونے والی ہیں، اس لیے ان کی مدافعت اور مقاصد و مقاصد کے بجائے ان کا غیر مقدم ہی کرنا چاہیے تو پھر اہل ایمان اور اہل کفر، اہل تقویٰ اور اہل فجور سب کو کیسا ہونا چاہیے تھا، حالانکہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

کیا ہم ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو زمین میں نسا دیرپا رکھنے والوں کے برابر کر دیں گے یا متقیوں کو بدکاروں کے مساوی کر دیں گے؟

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ -

تو کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں اور نافرمانوں کی طرح کر دیں گے؟ کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہ برائیاں کما تی ہیں، یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم انہیں ان کے برابر کر دیں گے جو صاحب ایمان ہیں اور

أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ -

يَحْيَاهُمْ وَمَا تَهُم سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ

جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کا مرنا اور عینا دونوں کیساں ہیں؟

اس طرح کی ایک دو نہیں بلکہ بے شمار آیات قرآن مجید میں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق اور اہل باطل، اہل حق اور اہل مصیبت، اہل ہدایت اور اہل ضلالت، اہل تقویٰ اور اہل تجر کے درمیان انتہائی تفریق کی اور ان دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھا ہے۔ لیکن جس شخص کی نگاہ صرف حقائق تکوینی ہی تک پہنچتی ہے اور حقائق تشریحی کی صوفت تک اس کی رسائی نہیں ہوتی، وہ ان دونوں مقابل گروہوں اور ان کی متضاد صفتوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتا اور دونوں کو ایک ہی صفت میں لکھتا کرتا ہے۔ حدیث ہے کہ وہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم پیکہ قرار دے دیتا ہے، جیسا کہ قیامت کے دن ایسے لوگ خود ہی اپنی اسٹانی کا حیرت کے ساتھ اظہار کریں گے:

قَالَ اللَّهُ إِنَّكُمْ أَنْفِي حَسَلٍ مُّبِينٍ (اُدُسُو بِنُجُو) ثم الله کی یقیناً ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جبکہ تم نہیں (تم بتوں کو) بیدارِ العالمین (شمارہ - ۵)

یہی نہیں بلکہ اس جابلانہ منطق نے بہتوں کو جہل و ضلالت کی اس آخری سرحد پر پہنچا دیا ہے جس کے بعد گمراہی کی کوئی منزل باقی نہیں رہ جاتی۔ ان لوگوں نے کائنات کی ہر چھوٹی بڑی مخلوق کو خالق کائنات کا مساوی ٹھہرا دیا اور ہر موجود کو اس طاقت اور عبادت کا مستحق بنا دیا جو صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کا حق تھا۔ اور یہ اس طرح پر کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی ساری موجودات کا وجود ہے یعنی وجود کائنات اور ذات الہی دونوں ایک ہی حقیقت کے مظہر ہیں اور ہم جسے اللہ کہتے ہیں وہ مخلوقات کے وجود سے الگ اور اسوا کوئی چیز نہیں۔ البتہ اللہ۔ اس کے بعد کفر اور الحاد کا اور کونسا مقام باقی رہ جاتا ہے!

گویا اس خالص کافرانہ نظریہ کے قائلین منطقی طور پر، ان دونوں محنوں میں سے کسی معنی میں بھی اپنی عبودیت کا اعتراف نہیں کرتے جن کی توضیح اور تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اس نظریہ کی بنا پر تو وہ خود اپنے ہی کو خدا کہتے نظر آتے ہیں، جیسا کہ بہت سے علماء نے صراحتاً اس امر کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں عابد بھی ہیں اور ہمیں معبود بھی۔ حالانکہ یہ قول نہ تو حقائق دینی ہی کے اعتراف و مشاہدہ پر مبنی ہو سکتا ہے، نہ ہی حقائق تکوینی پر، بلکہ کھلا ہوا جہل اور اندھا پن ہے۔ نصاریٰ کو خدا نے کافر ٹھہرایا صرف اس بنا پر کہ وہ ایک انسان — حضرت مسیح علیہ السلام — کے متعلق حلول اور اتحاد کا عقیدہ رکھتے تھے، پھر ان لوگوں کے کفر صریح کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو کائنات کے ایک ایک ذرہ کے بارے میں یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

ان کے مقابل ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جن کے پاس خدا کی اناری ہوئی کتاب ہو۔ ان کا علم اور یقین یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا رب، ہر چیز کا مالک اور ہر موجود کا خالق ہے۔ ایسا خالق جو تمام مخلوقات سے بالکل جداگانہ اور مبراں حقیقت رکھتا ہے۔ وہ نہ تو کسی شے میں حلول کرتا ہے، نہ کسی چیز سے متحد ہوتا ہے اور نہ اس کا وجود اور کائنات کا وجود ایک ہے۔ اس نے اپنی اور اپنے پیغمبروں کی کمال اطاعت کا حکم دیا اور ہر طرح کی نافرمانی سے منع کیا ہے۔ وہ خدا کو سخت ناپسند کرتا ہے اپنے بندوں کو کفر و شرک کرتے دیکھ کر اس کے غضب کی انتہا نہیں رہتی۔ مخلوق کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عبادت میں ہمہ دم مصروف رہے، اس کے احکام بجالاتا ہے اور اس کے لیے اسی سے توفیق بھی مانگے جیسا کہ قرآن مجید لکھاتا ہے کہ ہم کہیں کہہ۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ نَعْبُدُكَ وَأَسْتَغِيثُكَ (فاتحہ) دے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرنے میں اور تجھی سے توفیق اور مدد مانگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سے مجھد دیگر ذرائع کے ایک فرض یہ بھی ہے کہ خدا کے بندے اپنے مقصد و بھرا مر بالمعروف کریں، منکر کا سبب کریں اور خدا کی راہ میں کفار اور منافقین سے جہاد کریں۔

پھر اس علم اور یقین کے بعد وہ عملی طور پر میدان میں ترآتے ہیں اور اللہ کے دین کو سچ ارض پر جانچ کرنے کے لیے اپنی ساری قوتیں، صلاحیتیں اور کوششیں صرف کر لیتے ہیں، اور اس راہ میں وہ اللہ ہی سے نصرت اور تائید بھی مانگتے ہیں، نہ کہ قضا و قدر کے نام پر ہاتھ پائی توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

یہ طلب عانت اور توفیق طلبی ان مکروہات کے لیے تشبیہ قلب کا کام دیتی ہے جو انہیں اس راہ میں پیش آتے ہیں اور ان کمزورتیاں کا مقابلہ کرنے کی توانائی بخشتی ہے جو آئندہ پیش آسکتے ہیں۔ مثلاً انسان کھانا کھاتا ہے تاکہ وہ اس خوراک سے اپنی موجودہ بھوک کا ازالہ کرے اور آئندہ کے لیے اپنے جسم کو وہ قوت بہم پہنچائے جو مستقل اشتہا کا دفاع اور مقابلہ کر سکے۔ وہ ایسا کبھی نہیں کرتا کہ تقدیر کے نام پر کھانا پینا چھوڑ دے۔ یہی اصول ہے جو ہمیں اس حدیث سے ملتا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وہ دو ایسے جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں اور وہ توہید گنہے جن سے ہم بھاڑ پھونک کرتے ہیں اور اسی طرح کی تمام اچھالیں اور تدبیریں جن کو ہم اپنی روزی کی زندگی میں برتتے ہیں تقدیر الہی کو بدل سکتی ہیں؟ ان حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہاں بن قَدْرِ اللہ، یہ سب چیزیں بھی تقدیر ہی کے ماتحت ہوتی ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ”وَعَالِدٌ بَنَ زَيْنٍ أَوْ آسَمَانَ كَيْ دَرَمِيَانٍ دَوَّجَارٍ هَوْتِي هِي أَوْ رَأْسِي فِي نَكْمٍ تَحْمَا هُوَ جَايَا كَرْتِي هِي“۔ یہ ہے ان لوگوں کے علم و عقائد اور سعی و عمل کا حال جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں جن کا اوپر ذکر ہوا سب کی سب عبادت میں داخل ہیں۔

حقیقت شرک

مولانا امین احسن صاحب صلاحی کی تازہ تصنیف جس کی بعض قسطیں ترجمان القرآن میں نکل چکی ہیں چھپ کر آئی ہے۔ اس کتاب میں شرک کی حقیقت اور اس کے اقسام و فروع پر قرآن حکیم کی روشنی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

صفحات ۱۸۰۔ قیمت ۱۰۰ روپے۔

لئے کاپی

مکتبہ بعثت اسلامی، ادارہ دارالاسلام، پشاور

ذہنی زلزلے

نعیم صدیقی

قیمت مجلدین ۱۰ روپے

۱۰

(علاوہ صرفہ ترسیل)

لئے کاپی

مکتبہ کاروانِ ادب، چالو، پشاور

افسانوی ادب کو مسلمان بنانے کی پہلی کوشش

مندرجات:-

اقتاج

نا انسان

گر میر جنتی

تیسری بھوک

لیکن

گیمانی تامل

جیب کرا

صحافت کا مختصر جزو

اکائی

تبدیلی

مکتبہ عالی انسان ہونے کا

دماغ کی آہلی

افسانہ کی پری

دوران